# دودھ کے دانت

ہر انسان بچپن میں اس تجربے سے گزرتا ہے کہ چھ ماہ کی عمر کے لگ بھگ اس کے دودھ کے دانت (Baby Teeth) نکلنے شروع ہوتے ہیں۔ چھ سات برس کی عمر تک یہی دانت انسان کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور اس کے بعد انھی کے نیچے سے مستقل دانت نکلنا شروع ہوتے ہیں۔ جب یہ دانت مسوڑوں کے اندر ہی ہوتے ہیں تو ان کے اثر سے دودھ کے دانت ہلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ دودھ کے دانت گرجاتے ہیں اور مستقل دانت ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔

ہر اس گھر میں جہاں چھوٹے بچے ہوتے ہیں لوگ ایسے بچوں کو بھاگتا دوڑتا دیکھ سکتے ہیں جن کے دانت یا تو ہل رہے ہوتے ہیں یا پھر گر گئے ہوتے ہیں۔ تاہم ان ہلتے اور گرتے ہوئے دانتوں کو دیکھ کر شاید ہی کوئی شخص وہ سبق لیتا ہو جو ان میں پوشیدہ ہے۔

ان ہلتے ہوئے دانتوں کا اصل پیغام یہ ہوتا ہے کہ انسان ان بچوں کو دیکھے اور اس حقیقت کو سمجھ لے کہ یہ بچے وہ اصل دانت ہیں جن کو ان کی جگہ لینا ہے۔ یہ ''اصل دانت'' جو اس وقت گھر میں بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں وہ قدرت کا اشارہ ہے کہ لوگ خود کو ہلتا ہوا دانت سمجھنا شروع کردیں۔ بڑی عمر کے لوگ یہ سمجھ لیں کہ دنیا میں ان کا متبادل آچکا ہے۔ اور اب قانون قدرت کے تحت ان کی روانگی کا وقت قریب آرہا ہے۔

لوگ ہلتے ہوئے دانتوں کے اس پیغام کو سمجھ لیں تو ساری غفلت اور سرکشی دور ہوجائے گی۔ دنیا کے منصوبوں کے بجائے آخرت کے منصوبوں کی طرف دھیان ہوجائے گا۔ ابھی تک اگر توبہ نہیں کی تو انسان اب توبہ کرلے گا۔ اپنی اصلاح میں ابھی بھی کوئی کمی ہے تو انسان اس کی تلافی کرلے گا۔ کوئی شخص اگر یہ نہیں کرتا تو نہ کرے۔ ہلتے ہوئے دانتوں نے بہرحال عنقریب ٹوٹ جانا ہے۔

# اخلاق کے عناصر اربعہ

ابن خلدون دنیا کا پہلا ماہر سماجیات ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک قوموں کے عروج و زوال کے ضمن میں اخلاق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اس نے اپنے مقدمے کے باب 2 فصل 20 میں تفصیلی بحث کر کے یہ بتایا ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کے ضمن میں اخلاقیات کی بنیادی حیثیت ہے۔اعلیٰ اخلاق دنیا میں عروج اور پست اخلاقی رویہ دنیا ہی میں قومی ذلت ورسوائی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ خود اخلاق اپنی کچھ اساسات رکھتا ہے۔ان اساسات کے بغیر اس کا ظہور افراد میں ہوتا ہے نہ اقوام میں۔ان اساسات میں فطرت سلیمہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ جب فطرت مسخ ہو تو اعلیٰ اخلاقی رویہ جنم نہیں لے سکتا۔ دوسری اساس علم ہوتا ہے۔اخلاق کے پھول جہالت کی زمین پر کبھی نہیں اگا کرتے۔اگ جائیں تو جلد ہی مرجھا جاتے ہیں۔

اخلاق کی تیسری اساس علم کی سمجھ یا تفقہ اور بصیرت ہوتی ہے۔علم سمجھ کے بغیر بس معلومات ہوتا ہے۔سمجھ کا مطلب ہے کہ ہر چیز کا علم ہونے کے ساتھ اس کی اہمیت، مقام، وزن اور حیثیت کو جاننا ہے۔ جو من کو ماشہ اور سیر کو تولہ سمجھے، مچھر کو اونٹ کے برابر جانے وہ شخص علم ہونے کے باجود حلم سے محروم رہے گا اور اس کا لازمی نتیجہ اخلاقی پستی ہے۔اخلاق کی چوتھی اور آخری اہم اساس خدا خوفی ہے۔ جو انسان خدا خوفی سے محروم ہو وہ تعصّبات، خواہشات اور مفادات کا اسیر ہو جاتا ہے۔ایسے افراد اور گروہ بھی اخلاقی عظمت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فرد ہو یا قوم، عالم ہو یا عامی اخلاق ہر کسی کی کامیابی کا ضامن ہے۔لیکن یہ اخلاق خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ فطرت سلیمہ، علم، بصیرت اور خدا خوفی کی دین ہے۔ جو لوگ ان چیزوں سے محروم ہوں، ان سے کبھی کسی اعلیٰ اخلاقی رویے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

# جادو کا کھلونا

ندا فاضلی اردو کے معروف شاعر ہیں۔ ان کا ایک خوبصورت شعر اس طرح ہے:

دنیا جسے کہتے ہیں جادو کا کھلونا ہے
مل جائے تو مٹی ہے کھو جائے تو سونا ہے

یہ شعر دنیا نہیں بلکہ انسانی نفسیات کا ایک مکمل بیان ہے۔ انسان کے لیے قدر و قیمت ہمیشہ انھی چیزوں کی ہوتی ہے جو اس کے پاس موجود نہیں ہوتیں۔ وہ ان چیزوں کو سونا سمجھ کر ان کی خواہش کرتا ہے۔ جبکہ جو نعمتیں اور بھلائیاں انسان کو ملی ہوئی ہوں، وہ انسان کے لیے مٹی کی طرح بے وقعت ہوتی ہیں۔

اس کی سادہ ترین مثال صحت ہے۔ عام طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحت ہر شخص کو دی جاتی ہے۔ بیشتر انسان کامل اعضا اور قویٰ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے جوڑ بند سلامت ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتے، سنتے، بولتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ ان کا دل، دماغ، جگر، پھیپھڑے سب ٹھیک کام کرتے ہیں۔ وہ اطمینان سے سانس لیتے اور مزے سے کھانا چبا سکتے ہیں۔

مگر اکثر انسانوں کو یہ نعمتیں سرے سے کوئی نعمتیں نہیں لگتیں۔ ہاں اس کے ساتھ ذرا مالی تنگی آ جائے تو انسان مایوس اور پریشان ہو جاتا ہے۔ وہ چھوٹے گھر، کم تر سواری، قلیل آمدنی کو اتنا بڑا مسئلہ بنا لیتا ہے کہ گویا اسے دنیا میں کچھ نہیں ملا۔

ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ کسی نابینا کو دیکھیں، کسی معذور سے ملاقات کریں، کسی مریض کی عیادت کریں، کسی ہسپتال کا چکر لگا کر کینسر اور ہارٹ کے کسی مریض کو دیکھیں تو ان کو اندازہ ہو گا کہ ان کے پاس سونے سے بھی قیمتی نعمت ہے، جسے وہ مٹی سے بھی کم تر سمجھ بیٹھے ہیں۔ جب لوگ اپنے ''سونے'' کو سونا سمجھیں گے تو دنیا میں جو ان کو نہیں ملا، وہ بھی دے دیا جائے گا۔

# سازشی تھیوری اور تعمیری کام

ہمارے ہاں لکھاریوں اور مقرروں کی ایک پوری فوج موجود ہے جو دن رات مسلمانوں اور پاکستانیوں کے خلاف سازشیں تلاش کرتی رہتی ہے۔قرآن و حدیث سے لے کر یہود و نصاریٰ کی لکھی ہوئی کتابوں کو اس نقطہ نظر کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ایسے ایسے نکات اور نظریات پیش کیے جاتے ہیں کہ بلاشبہ ایسے لوگوں کی ذہانت،محنت اور نکتہ آفرینی کی داد دینے کو دل چاہتا ہے۔

تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کی دنیا اس اصول پر بنائی گئی ہے کہ یہاں آپ کو کسی کی سازش تباہ نہیں کرسکتی۔ یہاں آپ کو آپ کی کمزوریاں لے ڈوبتی ہیں۔سازشیں اگر ہوں بھی تو کمزور کو نقصان پہنچاتی ہیں،طاقتور کا یہ کچھ نہیں بگاڑ پاتیں۔

اس دنیا میں ہر انسان اور ہر گروہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔اکثر لوگ اس مقصد کے لیے ہر جائز و ناجائز راستہ استعمال کر لیتے ہیں۔یہیں سے سازشوں کا آغاز ہوتا ہے۔جب تک خدا کی دنیا باقی ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ایسے میں اصل کام یہ نہیں ہے کہ سازشیں ڈھونڈ کر ان کو بے نقاب کیا جائے۔اصل کام یہ ہے کہ قوم کی تعمیر کی جائے۔اس کو اتنا مضبوط بنادیا جائے کہ کسی قسم کی سازش کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔

سازشیں دریافت کرنے کی سوچ انسان کو منفی بناتی ہے۔ایسا شخص ہمیشہ منفی باتیں کرتا رہتا ہے۔ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔جبکہ تعمیر کی سوچ رکھنے والا شخص ہمیشہ خیر پھیلاتا ہے۔وہ ہر لمحہ اپنی یا اپنے اردگرد موجود کسی شخص کی دنیا اور آخرت کی بھلائی کی کوشش کررہا ہوتا ہے۔یہ گویا فرد اور سماج دونوں کو طاقتور بنانے کا عمل ہے۔یہ مثبت سوچ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہے۔یہاں تک کہ قوم اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ کوئی سازش اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

# ایک سوال دو جواب

پچھلے کئی برسوں سے عام طور پر پبلک اجتماعات میں خطاب سے احتراز کرتا ہوں۔ تاہم بعض مقامات پر تعلقات کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ انکار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پچھلے دنوں ایسے ہی ایک موقع پر سیرت نبی کے حوالے سے منعقد ہونے والی تقریب میں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ یہ تجارت کی اعلیٰ تعلیم کا ایک ادارہ تھا جہاں پڑھے لکھے لوگ موجود تھے۔ میرے ساتھ ایک عالم دین بھی بطور مقرر شریک تھے۔

تقاریر کے اختتام پر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک خاتون نے مختلف پہلوؤں سے اہل علم پر تنقید کرتے ہوئے ایک سخت سوال کیا۔ تنقید کا ایک پہلو یہ تھا کہ مسلمان اہل علم میں باہمی فرقہ وارانہ اختلاف کیوں ہیں؟ یہ سوال اس طالب علم کے ساتھ ان عالم دین سے بھی تھا۔ میں نے اس سوال کے جواب میں یہ توجہ دلائی کہ ہمارے ہاں پاپائیت کا کوئی نظام نہیں ہے جس میں در آنے والی کسی خرابی سے دین کی اصل تعلیم پر پردے پڑ جائیں۔ اصل دین قرآن وسنت میں محفوظ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وقفے وقفے سے ایسے اہل علم پیدا کرتے رہتے ہیں جو صحیح دین کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے قبل اپنی تقریر میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایمان واخلاق کی اس تعلیم کا بھی بیان کر دیا تھا جو دنیا وآخرت میں مسلمانوں کی فلاح کی ضامن ہے۔ لوگ اس کو اختیار کریں گے تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

میرے بعد جب ان عالم صاحب نے خاتون کے سوال کا جواب دیا۔ انھوں نے پورے اعتماد اور قوت سے کہا کہ علماء میں کوئی فرقہ وارانہ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ خاتون کے سوال کا دوسرا پہلو دہشت گردی کے حوالے سے تھا۔ اس کے حوالے سے بھی انھوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کی دہشت گردی کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ یہ غیر مسلم ہیں جن کی طرف سے

مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔

یہ سوال اوران کے یہ دو الگ الگ جواب صرف اسی نشست کا معاملہ نہیں۔ پوری قوم کے سامنے اس ایک سوال کے یہی دو الگ الگ جواب آ رہے ہیں۔ پہلا جواب وہ ہے جس میں اپنی غلطی کو تسلیم کر کے یہ توجہ دلائی جاتی ہے کہ اصل ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہمیں ان کی لائی ہوئی تعلیمات کی طرف لوٹنا چاہیے۔ دوسرا جواب وہ ہے جس میں یہ ماننے سے انکار کر دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے کوئی غلطی بھی ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک ایسے دور میں جب ہر دینی مدرسہ الگ الگ فرقے کے علماء تیار کر رہا ہے اور ہر مسجد کے دروازے پر فرقے کا نام نمایاں طور پر درج کیا جاتا ہے وہاں لوگ اطمینان سے کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں کوئی فرقہ واریت نہیں ہے۔

یہی وہ سوچ ہے جس نے پاکستان میں ہونے والی مسلسل دہشت گردی پر یہ کہہ کر پردہ ڈالا کہ کوئی مسلمان یہ کام نہیں کر سکتا اور یہ غیر مسلموں کی کارستانی ہے۔ یہی وہ سوچ تھی جو عرصہ تک بدترین دہشت گردی کو اگر اور مگر کی ڈھال فراہم کرتی رہی اور غیر مسلموں کے ظلم کی آڑ میں اس کو جواز فراہم کرتی رہی۔

یہ دو قسم کے جوابات کسی فقہی مسئلے سے متعلق نہیں ہیں جن کا دنیا و آخرت کی فلاح سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ ایک انتہائی اہم سوال کے وہ دو مختلف جوابات ہیں جن کو اختیار کرنے پر ہماری دنیا اور آخرت موقوف ہے۔ مسلمان پہلے جواب کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل بنائیں گے تو ان میں اپنے احتساب کی نفسیات پیدا ہوگی۔ وہ اپنے ایمان کو بہتر بنائیں گے۔ اپنی اخلاقی غلطیوں کی اصلاح کریں گے۔ جس کے بعد ان پر خدا کی رحمت متوجہ ہوگی۔

مگر بدقسمتی سے مسلمان مجموعی طور پر اس وقت دوسرے جواب کو قبول کیے ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں مسلمان فرقہ واریت کی زنجیر میں قید ہیں۔ ہم بدترین اخلاقی زوال کا شکار ہیں مگر

ہمیں اس زوال کے خوفناک نتائج کا کوئی ادراک نہیں۔ ہم نرگسیت کے وہ مریض ہو چکے ہیں جسے خود میں ساری خوبیاں اور دوسروں میں ساری برائیاں نظر آتی ہیں۔ ہم غیر مسلموں کی نفرت کا شکار ہیں۔ حالانکہ ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اسلام کا پیغام کا ان لوگوں تک پہنچائیں۔

پچھلے چالیس برسوں میں ہمارے سامنے صرف ایک جواب ہی آیا تھا جسے دوسرے جواب کی شکل میں پیچھے بیان کیا گیا ہے۔ مگر اب ایک اور جواب پوری قوت سے سامنے آ گیا ہے۔ جب یہ متبادل جواب سامنے آجائے تو قوم کے پاس اپنی بدعملی کا عذر ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قوم کی مہلت عمل ختم ہونے لگتی ہے۔ یہی معاملہ اب پاکستانی قوم کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ان کے پاس دوسرا جواب آ گیا ہے۔ وہ اگر اب بھی عدم اعتراف، فرقہ واریت اور دہشت گردی کی اسیر رہتی ہے، جذباتی گفتگو کے فریب میں آتی رہے گی تو مکمل تباہی سے دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں بچا سکتی۔

لیکن قوم نے اگر ایمان و اخلاق کی دعوت کو قبول کرلیا تو انشاءاللہ یہ قوم دنیا کی ایک عظیم قوم بن جائے گی۔ اب فیصلہ قوم کو کرنا ہے کہ اسے کیا دعوت قبول کرنی ہے اور کسے رد کرنا ہے۔

# جماعت اسلامی اور سیاسی خلا

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے میرا ایک ذاتی تعلق ہے۔ اپنی نوجوانی کے زمانے میں جب مغربی مفکرین کی تنقید سے میرا اسلام پر اعتماد متزلزل ہو رہا تھا، مولانا مودودی کی تحریروں نے اس اعتماد کو بحال کر دیا تھا۔ اب گرچہ میں فکری طور پر بہت آگے جا چکا ہوں لیکن اسی بنا پر ان سے عقیدت و محبت کا تعلق آج کے دن تک قائم ہے۔ اسی طرح ربع صدی قبل جب درس دینا شروع کیا تو میری شہرت کی بنا پر جمعیت کے حلقوں میں مجھے بار بار درس دینے کے لیے بلایا جاتا تھا۔ میں نے زندگی کا پہلا ووٹ دیا تو وہ بھی قاضی حسین احمد مرحوم کو دیا تھا۔ یہ ہمدردی اور محبت کا وہ پس منظر ہے جس میں جماعت کے حوالے سے کچھ معروضات قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ شاید کوئی سمجھنے والا سمجھ لے۔

جماعت اسلامی ایک سیاسی جماعت ہے جو ستر برس میں بھی کبھی اس ملک میں برسر اقتدار نہیں آسکی۔ اس کی وجہ سیاست کے بعض حقائق کو نہ سمجھنا ہے۔ سیاست میں ہمیشہ خلا پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ کامیاب سیاستدان وہ ہوتا ہے جو اس حقیقت کو سمجھ سکے کہ سیاسی خلا کہاں پیدا ہو رہا ہے اور اسے فوری طور پر بھرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پاکستان میں اس کی نمایاں ترین مثال بھٹو صاحب تھے۔ اس کے بعد نواز شریف، شہری سندھ میں الطاف حسین اور پھر عمران خان نے یہ کام کیا۔ تاہم جیسے ہی کسی سیاستدان کی انگلیاں عوام کی نبض پر سے ہٹتی ہیں یا وہ اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگاتا ہے، دوبارہ ایک سیاسی خلا پیدا ہو جاتا ہے۔

ایوب خان کے عہد میں جو سیاسی خلا پیدا ہوا اسے بھٹو صاحب نے بھر دیا۔ ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا اسے پنجاب کی حد تک نواز شریف نے بھر دیا۔ کراچی میں بھٹو صاحب کی پالیسیوں نے جو خلا پیدا کیا تھا اسے الطاف حسین نے بھر دیا۔ بھٹو صاحب کی طرح نواز شریف

نے بھی جب اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تو ایک اور خلا پیدا ہوا جسے عمران خان نے بھر دیا۔ بدقسمتی سے عمران خان نے بھی اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگایا۔لوگ نواز شریف سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے لیکن عمران خان کے پے در پے غلط اقدامات کی وجہ سے اب وہ ان کی بصیرت پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں ہیں۔اور اس وجہ سے اس وقت ملک میں ایک اور سیاسی خلا پیدا ہو چکا ہے۔یہی معاملہ الطاف حسین کے ساتھ ہوا۔جس کے بعد شہری سندھ میں بھی ایک خلا پیدا ہو چکا ہے۔جبکہ زرداری صاحب کی مہربانی سے پیپلز پارٹی نے اندرون سندھ میں عرصے سے ایک سیاسی خلا پیدا کر رکھا ہے، مگر وہاں کوئی متبادل قیادت موجود نہیں ہے۔

یہ وہ خلا ہے جس میں جماعت اسلامی کے قائدین کو غور وفکر کرنا چاہیے۔عرصہ ہوا وہ ایک جمہوری راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ان کے اندر کی داخلی جمہوریت کم از کم پاکستان کے معروضی حالات میں مثالی ہے۔ان کے پاس مخلص اور تربیت یافتہ کارکنان کی بڑی تعداد موجود ہے۔مگر جماعت جس بات کو نہیں سمجھ پا رہی وہ یہ ہے کہ دنیا کو نیشن اسٹیٹ کے دور میں داخل ہوئے ایک صدی ہو چکی ہے۔اب اپنی قوم سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔آپ دنیا بھر کے مسلمانوں کے حق میں مظاہرہ کر لیں یا اسلامی اتحاد پر کتنی ہی تقریریں فرمالیں، لیکن کوئی مسلمان ملک نہ آپ کو شہریت دے گا نہ بغیر ویزے کے آپ کو اپنے ہاں آنے دے گا۔لوگ برما اور شام کے مسلمانوں سے ہمدردی کر سکتے ہیں، ان کی مدد کے لیے چندا بھی دے سکتے ہیں، مگر ان کے لیے سب سے اہم اپنے مسائل ہیں۔ان کو ایڈریس کیے بغیر کوئی جماعت پاپولر جماعت نہیں بن سکتی۔

بدقسمتی سے جماعت نیشن اسٹیٹ کے دور میں عالمی سیاست کرتی ہے۔یہی ان کی ناکامی کی اصل وجہ ہے۔جماعت کی تاریخ میں ایک استثنائی ماڈل نعمت اللہ خاں صاحب نے قائم کیا تھا۔ انھوں نے 2001ء میں جنرل مشرف کے تعاون سے اس زمانے میں ایم کیو ایم کے بائیکاٹ

سے پیدا ہونے والے خلا کو بھرپور طریقے سے بھر دیا اور شہر کو ترقی کے راستے پر ڈال دیا۔اس زمانے میں ایم کیو ایم کی قیادت کچھ نہ کچھ اپنے حواسوں میں ہوا کرتی تھی۔ اس لیے فوراً اپنی غلطی کا تدارک کرتے ہوئے اگلے الیکشن میں حصہ لیا اور مصطفیٰ کمال کی شکل میں شہر کی تعمیر کے ماڈل کو آگے بڑھایا۔

جماعت اسلامی اگر ایک خالص سیاسی جماعت ہوتی تو اپوزیشن میں بیٹھ کر کچھ انتظار کرتی۔ اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے سے عوامی حقوق اور مسائل کو بھرپور طریقے سے اجاگر کرتی، مظاہرے کرتی، سیمینار کرتی۔ وہ ایسا کرتی تو 2007 کے بعد ایم کیو ایم نے جو خلا پیدا کیا وہ آج بھر چکی ہوتی۔ کراچی اور حیدر آباد کے لاوارث لوگ ان کی ماضی کی کارکردگی کی بنا پر لازماً ان کو قبول کر چکے ہوتے۔

بدقسمتی سے جماعت اسلامی یہ سب نہیں کرتی۔ اسے برما اور شام کے لوگوں پر ہونے والا ظلم نظر آتا ہے۔لیکن پاکستان میں دہشت گردی کرنے والوں کو وہ شہید کہتی اور ممکنہ حد تک ان کی بھرپور حمایت کرتی رہی ہے۔ عافیہ صدیقی کے لیے وہ آخری حد تک گئے، مگر پاکستان کے گلی کوچوں میں ہر روز کسی نہ کسی ''عافیہ صدیقی'' کی عصمت دری ہوتی ہے، اس پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔ وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتی ہے۔اس پر تیزاب ڈالا جاتا ہے،تشدد کیا جاتا ہے۔مگر یہ انھیں کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوتی جس کو اپنا مسئلہ بنالیا جائے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود ہمارے نزدیک پاکستان کے ماحول میں جماعت اسلامی کا دم بڑا غنیمت ہے۔انھیں صرف ایک بنیادی چیز کی اصلاح کرنا ہے۔انھیں اس حقیقت کو مان لینا ہے کہ وہ ایک نیشن اسٹیٹ میں جمہوری نظام کا حصہ ہیں۔اس کے بعد انھیں اس کے تقاضے نبھانے ہیں۔ جماعت نے ایک زمانے میں اسلامک فرنٹ اور پاسبان وغیرہ کے ذریعے یہ

کوشش کی تھی۔ مگر اس میں غلطی یہ تھی کہ جماعت پر اصل کنٹرول نظریاتی لوگوں کا تھا، جبکہ سیاسی سرگرمیوں کو الگ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ جبکہ کرنا یہ چاہیے کہ نظریاتی لوگوں کو جماعت سے الگ کر دیا جائے۔ پھر جماعت اسلامی ایک مکمل سیاسی جماعت بنے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام سے لاتعلقی اختیار کی جائے۔ اسلام اگر نظر آئے تو وہ اس کے نعروں میں نہیں اس کے کارکنوں کے کردار میں نظر آئے۔ وہ اپنے صالحین ہونے کا نعرہ نہ لگائیں، بلکہ اپنی خدمت اور اخلاق سے لوگوں کو بتائیں کہ صالحیت یہ ہوتی ہے۔ باقی جن لوگوں کا بہت نظریاتی ذوق ہے وہ علم و تحقیق کے میدان میں تشریف لائیں۔ تعصّبات سے پاک ہوکر ذرا علم کی دنیا کا مطالعہ کریں۔ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ جس نظریے کے وہ علمبردار تھے، علم کی دنیا میں اس کے پرخچے اڑ چکے ہیں۔ امید ہے کہ اندھی تقلید سے بلند ہونے کے بعد نظریاتی میدان میں مولانا مودودی کے بعد پھر کوئی بڑا آدمی پیدا ہوگا اور جیسے انھوں نے علم کی دنیا میں ایک عالم کو متاثر کیا تھا، کوئی اور بھی یہ کرے گا۔ ورنہ اطمینان رکھیے کہ جماعت اسلامی نہ سیاست میں کوئی کارنامہ سرانجام دے گی، نہ علم کی دنیا میں مولانا مودودی کی وراثت کو کچھ آگے بڑھا سکے گی۔

جماعت اسلامی کی بقا تحریکی مزاج کے لیڈروں اور کارکنان میں نہیں ہے، بلکہ سیاسی مزاج کے لوگوں میں ہے۔ انھیں سمجھنا چاہیے کہ اسلامی حکومت کسی تحریک سے نہیں آتی۔ بلکہ اعلیٰ اخلاقی انسانوں کے اقتدار میں آنے سے قائم ہو جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے بنوامیہ کی ملوکیت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اقتدار میں آنے سے خلافت راشدہ میں بدل گئی تھی۔

آج کے سیاسی خلا میں جماعت اسلامی کے لیے بڑے مواقع ہیں۔ وہ اگر قوم کے مسائل کو مسئلہ بنالیں تو ایک عشرے کے اندر اندر وہ اقتدار میں پہنچ سکتی ہے۔ اور جب تک اقتدار میں نہیں آتی حکمرانوں کو بہتر رویہ اختیار کرنے پر ضرور مجبور کر دے گی۔

## مکاتیب

ابو یحییٰ

محترمہ۔۔۔۔۔۔صاحبہ 13-12-2016

آپ کے طویل ای میل میں مرکزی سوال ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو ہر ماہ ماہواری کے ایام اور زچگی کی تکلیف میں کیوں ڈالا۔ پھر یہ کہ اس تکلیف میں جسمانی طور پر ڈالنے کے ساتھ نماز روزہ نہ کرنے کا حکم دے کر اسے ایک روحانی اذیت میں بھی ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا۔ جبکہ وہ اس کے بغیر بھی پورا نظام بنا سکتے تھے۔

اس بات کے جواب میں پہلی اور اصولی بات یہ سمجھ لیجیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کو دی گئی کوئی سزا نہیں ہے۔ جس طرح کہ آپ کے سوال سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نہ ہی یہ بات ہے کہ اللہ نے صرف عورتوں پر مشقت ڈالی ہے اور مرد کوئی ان کے لاڈلے ہیں ان کو ہر طرح کی مشقت سے بری رکھا ہے۔

دیکھیے یہ نسوانی تکالیف اس مجموعی خدائی اسکیم کا حصہ ہیں جس کے تحت امتحان کی اس دنیا میں کوئی نہ کوئی تکلیف ہر کسی کو لاحق ہوتی ہے۔ عورتوں کو اگر ایام و زچگی کی تکلیف لگی ہے تو مردوں کو ہر دور میں اپنے خاندان کی کفالت اور ان کی حفاظت کے لیے زبردست جسمانی اور ذہنی مشقت جھیلنے کی مشقت لگا دی گئی ہے۔ انھی مشقتوں کی وجہ سے مجموعی طور پر ان کی اوسط عمر عورتوں سے ہمیشہ کم رہی ہے۔ ساتھ ساتھ وہ جان جانے، زخمی ہو جانے، حادثات کا شکار ہو جانے جیسے اندیشوں سے نہ صرف دوچار رہتے ہیں بلکہ تا زیست عورتوں کے مقابلے میں زیادہ خطرہ، زیادہ درد اور زیادہ اسٹریس برداشت کرنے پر بھی مجبور ہوتے ہیں۔

جو مرد اس مشقت کو مشقت سمجھتے ہیں، ان کی زندگی عذاب بنی رہتی ہے مگر جو مرد اسے خدائی

اسکیم کا حصہ سمجھ کر قبول کرتے ہیں انھیں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔

اس لیے اصل مسئلہ اندازِ فکر کا ہے، خدائی نظام میں کسی خامی یا کمزوری کا نہیں۔ اگر حیض و زچگی کے مراحل ایسے ہی ناقابل برداشت اور تکلیف دہ ہوتے تو اس دنیا میں کوئی خاتون زندہ نہیں ہوتی اور سب اس تکلیف کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتیں۔

تاہم اس کے باوجود ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ ایک تکلیف دہ صورتحال ہے۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ کیا ساری تکالیف ختم کر دی جائیں؟ ایسا ہوا تو پھر آپ کا امتحان بھی نہیں رہے گا۔ اور امتحان نہیں تو پھر جنت ملنے کا امکان بھی نہیں رہے گا۔

آپ کے سوال سے دوسری بات یہ عیاں ہے کہ آپ انسانی سماج میں عورتوں کے ساتھ ہونے والے غیر مساویانہ سلوک پر ناخوش ہیں۔ آپ کی یہ بات ٹھیک ہے کہ یہاں بارہا خواتین کے ساتھ زیادتی ہو جاتی ہے۔ مگر اس میں اصل قصور انسانوں کا ہے۔ انسان ہر کمزور کے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ خود خواتین بھی جب طاقت کے مقام پر آتی ہیں تو دوسرے کمزوروں کے ساتھ اکثر یہی سلوک کرتی ہیں۔ یہی اس دنیا کا امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دنیا بنا کر ایسے ہی لوگوں کو ڈھونڈ رہے ہیں جو اختیار کے باوجود زیادتی نہ کریں اور جن پر زیادتی ہو وہ منفی سوچ کا شکار ہونے کے بجائے صبر سے کام لیں۔ چنانچہ دنیا کی اس خرابی میں بھی یہی حکمت ہے کہ اس خرابی کے بغیر وہ اعلیٰ انسان نہیں مل سکتے جو جنت میں بسائے جائیں جہاں کوئی حیض ہوگا نہ دیگر تکالیف۔

آپ کے سوال کا یہ پہلو بھی جواب طلب ہے کہ خواتین کو اس میں نماز روزہ سے کیوں منع کیا گیا ہے۔ دیکھیے یہ ہدایت ایک ڈسپلن کا حصہ ہے۔ لیکن اس ڈسپلن کی پابندی کرتے ہوئے بھی خواتین خود کو روحانی طور پر اللہ سے قریب کر سکتی ہیں۔ سب سے بڑی اور بنیادی عبادت اللہ کی یاد ہے۔ اس پر ان دنوں میں کس نے پابندی لگا رکھی ہے۔ اللہ کو یاد کرتی رہیں آپ کی روحانیت

بالکل اسی سطح پر رہے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم جس امتحان میں ہیں اس میں ہر طرح کے حالات میں ہم کو اپنے اندازِ فکر کو درست رکھنا ہے۔ ایسا کریں گے تو ہمیں کوئی چیز خراب نہیں لگے گی۔ اندازِ فکر منفی کر لیں گے تو کوئی چیز بھی ہمیں ٹھیک نہیں لگے گی۔

آخر میں ایک واقعہ سن لیجیے جس میں اس طرح کے سارے سوالات کا جواب اللہ کے ایک جلیل القدر نبی حضرت عیسیٰ نے دے دیا تھا۔ ان سے ایک دفعہ شیطان نے اسی نوعیت کا ایک سوال کیا تھا۔ یعنی خدا تو جو چاہے کر سکتا ہے آپ خدا سے بات کر کے اس سے اپنی مرضی کا معاملہ کیوں نہیں کراتے۔ آنجناب نے جو جواب دیا اسے یاد کر لیجیے۔ یہ ہر مسئلے کی کنجی ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ خدا نے یہ دنیا ہمارے امتحان کے لیے بنائی ہے۔ اس لیے نہیں بنائی کہ ہم خدا کی حکمت اور قدرت کو چیلنج کر کے خدا کا امتحان لینا شروع کر دیں۔

والسلام علیکم

ابو یحییٰ

---

سلسلہ روز و شب

ابویحییٰ

# مشکلات ترقی کا ذریعہ

## قوموں کے عروج وزوال کا قانون

انسانی تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ قومیں جب اپنی زندگی کے بام عروج پر پہنچتی ہیں تو ان میں خوشحالی اور رفاہیت عام ہوجاتی ہے۔ مال وزر کی کثرت ہوتی ہے۔ سامان عیش وعشرت عام دستیاب ہوتا ہے۔ مسائل زندگی کم سے کم ہوجاتے ہیں۔ مگر یہی وہ وقت ہوتا ہے جب قوموں کی زندگی میں زوال کا سایہ پڑنے لگتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ سایہ بڑھتا ہے اور آخرکار قومیں دوسری اقوام میں ضم ہوکر صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔

اس زوال کی وجہ یہ ہے کہ آسانی، خوشحالی اور مسائل جب زندگی کا مستقل حصہ بن جائیں تو یہ انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کو زنگ لگادیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اعلیٰ اور مضبوط انسان پیدا ہونے بند ہوجاتے ہیں۔ قدرت کے قانون کے تحت کچھ عرصے بعد مشکلات دوبارہ سر اٹھاتی ہیں۔ مگر اس وقت ان کا مقابلے کرنے کی صلاحیت نہ کسی میں ہوتی ہے اور نہ اس چیلنج کا جواب دینے کوئی سامنے آتا ہے۔ یوں ہر عروج آخرکار زوال میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

زندگی میں ملنے والی آسانیوں کا یہی معاملہ ہے جو فرد کی زندگی کو بھی اسی طرح متاثر کرتا ہے۔ بلکہ زیادہ درست الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ اصل معاملہ افراد ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ قومی عروج کے دور میں چونکہ اکثریت مجموعی فراوانی سے مستفید ہورہی ہوتی ہے اس لیے یہ فراوانی اور خوشحالی پہلے پہل افراد کی قوت وصلاحیت کے زوال کا سبب بنتی ہے اور پھر افراد کا زوال مجموعی قومی زوال میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

## مسائل زندگی قانون قدرت کا حصہ ہیں

اس پہلو سے آپ دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ مسائل زندگی جنھیں ہم برا سمجھتے ہیں، اتنی بری چیز نہیں ہیں اور جن آسانیوں اور آسائشوں کے لیے ہم اپنی زندگی کا سارا سکون غارت کردیتے ہیں، وہ اتنی اچھی چیز نہیں ہیں جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جسے سمجھ لیا جائے تو زندگی نہ صرف بہت آسان ہوجاتی ہے بلکہ جو چیز زندگی میں اصلاً مطلوب ہے، یعنی ذہنی سکون، انسان اس کو کبھی نہیں گنواتا۔

مسائل زندگی قدرت کے اس قانون کا ناگزیر حصہ ہیں جس کے تحت اللہ تعالیٰ دنیا کا یہ نظام چلارہے ہیں۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ انسانوں کی ضروریات کی فراہمی میں انھوں نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ بلکہ جو چیز جتنی زیادہ ناگزیر ہے وہ اتنی ہی فراوانی سے پائی جاتی ہے اور اس کا حصول اتنا ہی آسان ہے۔ مثال کے طور پر ہوا کے بغیر ہم ایک منٹ میں مرجائیں گے۔ مگر اللہ نے ہوا اتنی زیادہ رکھی ہے کہ ہر جگہ، ہر لمحہ اور ہر کسی کے لیے بلا معاوضہ ہوا میسر ہوتی ہے۔

قدرت کے اس قانون کا دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ تعیّشات کی چیزیں اس طرح وافر نہیں پائی جاتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر انسانی زندگی کی بقا منحصر نہیں ہوتی۔ لیکن ان چیزوں سے زندگی میں ایک جمال، لطافت اور خوبصورتی آتی ہے۔ اور ان میں انسانوں کے لیے بلا کی کشش بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ لوگ ان چیزوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں جب جمال اور لطافت کے بجائے اپنی ذات میں مقصد بن جائیں تو پھر ان کے لیے انسان اپنا ذہنی سکون غارت کردیتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ ان کے حصول کے لیے بہرحال مشقت کرنا پڑتی ہے۔ ان کے لیے اکثر انسان اخلاقی اقدار کو پامال کرتے ہیں۔ ان کے پانے کے بعد کے

جب لوگ انھی میں مشغول ہوجاتے ہیں تو یہ رویہ فرد اور قوم دونوں کے زوال کا باعث ہوتا ہے۔ اس پر ہم پیچھے تفصیل سے بات کرچکے ہیں۔

## زندگی کا نمک

قدرت کے قانون کا تیسرا ضابطہ یہ ہے کہ مسائل زندگی خود بقائے زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ خیال رہے کہ ان مشکلات کا اصل مقصد انسان کو تکلیف دینا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان سے پہنچنے والی تکلیف ورزش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ایکسرسائز بھی ایک مشقت کا کام ہے لیکن اس مشقت سے جسم انسانی فٹ رہتا ہے۔ انسان اگر جسمانی مشقت نہ کرے اور کھاتا پیتا رہے تو بتدریج کمزور ہوتا چلا جائے گا اور آخر کار کسی بڑی بیماری کا شکار ہوجائے گا۔

چنانچہ زندگی کے مسائل اور پریشانیوں کی یہی حیثیت ہے کہ وہ ہمیں ذہنی اور نفسیاتی طور پر زندہ اور فعال رکھتی ہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ زندگی کی لطافتیں اور جمال بھی اسی لیے خوبصورت لگتی ہیں کہ ہم مسائل سے واقف ہوتے ہیں۔ زندگی کی تلخیاں ہی ہیں جو ہمیں زندگی کی مٹھاس سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیتی ہیں۔ اگر زندگی میں تلخی نہ ہو تو ہم کسی مٹھاس سے کبھی لطف اندوز نہ ہوسکیں۔ یہی وہ سارے پہلو ہیں جن کی وجہ سے ہم زندگی کی ان تلخیوں کو زندگی کے نمک کا نام دے سکتے ہیں، جس کے بغیر انسان کی غذا سے مزہ ختم ہوجاتا ہے۔

## آٹے میں نمک کم ہی ہوتا ہے

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ آٹے میں نمک کی طرح زندگی میں مسائل کا تناسب ہمیشہ بہت کم ہوتا ہے۔ ہم نے اوپر قدرت کا جو قانون بیان کیا ہے اس میں ہم نے یہ بتایا ہے کہ قدرت نے تعیّشات کو ضروریات کی طرح وافر مقدار میں مہیا نہیں کیا ہے۔ ٹھیک یہی معاملہ مسائل کا بھی ہے کہ ذوق جمال کی تسکین کرنے والی چیزوں اور تعیّشات کی طرح ایک عام انسان

کی زندگی میں مسائل بھی کم کم ہی آیا کرتے ہیں۔ گرچہ بعض مستثنیات ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں لوگ زندگی بھر مسائل میں گھرے رہتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ زندگی بھر کے لیے معذور ہو جاتے ہیں۔ یا زندگی بھر غربت کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ امتحان کی اس دنیا میں صبر سے کام لیں گے تو خدا کے ہاں اپنا اجر بے حساب پائیں گے۔

اسی طرح بعض دنوں میں مسائل انسان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی طویل بیماری یا بے روزگاری کا کچھ عرصہ انسان کو بہت تکلیف دہ صورتحال سے دوچار کر دیتا ہے۔ تاہم یہ عارضی وقت ہوتا ہے جو گزر جاتا ہے۔ تاہم عام حالات میں زندگی میں مسائل کا تناسب اتنا ہی ہوتا ہے جتنا آٹے میں نمک کا۔ روزمرہ زندگی میں مسائل پیش آتے رہتے ہیں، مگر اتنے زیادہ نہیں ہوتے کہ انسان کی کمر توڑ ڈالیں۔ یا بعض اوقات زندگی کے مسائل بہت زیادہ یا مستقل ہو بھی جائیں تو مسائل کے مقابلے آسانیاں ہمیشہ زیادہ ہوتی ہیں۔ زندگی کا گلاس جتنا خالی ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ ہر حال میں بھرا رہتا ہے۔ مگر منفی سوچ کا انسان صرف خالی حصے کو دیکھتا اور مثبت سوچ کا انسان بھرے ہوئے حصے پر نظر رکھتا ہے۔ یہی مسائل سے فائدہ اٹھانے کا بنیادی طریقہ ہے کہ انسان کو نہ ملے ہوئے کے بجائے ملے ہوئے پر نظر رکھنا چاہیے۔

اس کے بعد ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اس خیر کو حقیقی معنوں میں حاصل کر سکے جو اسے ان مسائل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس خیر کے اہم ترین پہلو درج ذیل ہیں۔

### روحانی پہلو

مسائل زندگی کا سب سے پہلا اور بنیادی فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کی روحانیت کو ایک جھٹکے سے زندہ کر دیتا ہے۔ انسان کا روحانی وجود اس کی شخصیت کا ناگزیر حصہ ہے۔ مگر یہ روحانی وجود عام حالات اور خاص کر خوشیوں میں مادیت کے ڈھیر میں کہیں دبا رہتا ہے۔ عام حالات میں اسے زندہ رکھنے کے لیے انسان کو بڑی محنت، مشقت اور ریاضت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ اسلام

میں روزے کی عبادت کے ذریعے سے جسم کو غذا، پانی، آرام اور ازدواجی مسرت سے موڑ کر ایک عارضی محرومی میں اس لیے ڈالا جاتا ہے کہ انسان اپنے رب سے ایک زندہ روحانی تعلق پیدا کر سکے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ روزے کی اس روح کو نہیں سمجھ پاتے اور روزہ کا مقصد ہی صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنا سمجھتے ہیں۔

تاہم مسائل زندگی کی یہ خوبی ہے کہ مصائب و آلام کا ایک جھونکا ہی انسان کی روح کے وہ تار چھیڑ دیتا ہے جو عام حالات میں مردہ پڑے رہتے ہیں۔ انسان چاہے نہ چاہے مشکل اور مسائل کے آنے پر خود کو اپنے رب کے سامنے ڈالنے، اس سے فریاد کرنے، ذکر و عبادت سے اس کا قرب تلاش کرنے اور اس کی مدد سے مصائب کو دور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتا۔

یہ بات کون نہیں سمجھتا کہ کسی خاندان میں موت یا بیماری کا کوئی واقعہ پیش آجائے تو لوگ خدا کے حضور ہی رجوع کرتے ہیں۔ ہر مشکل اور مسئلے میں آخر کار اسے ہی پکارا جاتا ہے۔ یہ عمل ابتدا میں تو مشکل یا مسئلے سے نکلنے کے لیے کیا جاتا ہے، مگر انسان زندہ ہو تو خدا سے دیرپا اور گہرے تعلق کا سبب بن جاتا ہے جو انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کو خیر و فلاح سے بھر دیتا ہے۔ مزید یہ کہ خدا کے سامنے رونا اور گڑگڑانا روح انسانی کو اس سکون سے آشنا کرتا ہے جو کسی نعمت اور مسرت میں اسے نصیب نہیں ہو سکتا۔

کسی انسان کو مصائب میں خدا کا یہ تعلق اور یہ روحانی سکون نہ بھی نصیب ہو تب بھی بہرحال انسان کے تزکیے، تربیت، نیکیوں میں اضافے اور گناہوں کی معافی میں بالواسطہ طور پر ان مشکل حالات کا بہت کردار ہوتا ہے۔ جیسے بوڑھے والدین کی ذمہ داری اٹھانا ایک بہت مشکل کام ہے لیکن جو شخص یہ کام کر رہا ہوتا ہے، ہر روز بغیر کسی محنت کے اس کے نامہ اعمال میں کثرت سے نیکیاں درج کی جاتی رہتی ہے۔

## اخلاقی بیداری

انسان ایک اخلاقی شعور رکھتا ہے۔ یہ شعور ہی ہے جو انسان کو برائی سے روکتا اور بھلائی پر ابھارتا ہے۔تاہم مادیت کی دوڑ میں جتے رہنے کے نتیجے میں انسان اس اخلاقی وجود کی آواز کوئی مقامات پر دبا دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ انسان کے اندر موجود ضمیر مردہ ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان بالکل سنگ دل ہو جاتا ہے۔

لیکن جو انسان مسائل و آلام سے گزرتا ہے، اس کے اندر کی اخلاقی حس ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ جب انسان کو درد پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کے درر کو محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔ یہی وہ استعداد ہے جو انسان کو ایک اعلیٰ اخلاقی انسان بناتی ہے۔جس نے زندگی میں درد سہا ہو وہ دوسروں کو درد نہیں دیتا۔کم ازکم وہ درد نہیں دیتا جو اسے دوسروں سے ملا ہوتا ہے۔

زندگی میں درد اور مصائب نہ ہوں تو یہ دھرتی چلتے سنگ دل اور مردہ انسانوں کی ایک آماجگاہ بن جائے۔مگر لوگ جب درد سہتے ہیں تو وہ رحم دل ہو جاتے ہیں۔وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ان کی مشکلات کو دور کرتے ہیں۔

گرچہ بعض لوگوں کا رویہ اس کے بالکل برعکس بھی ہو جاتا ہے،مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ زیادہ تر انسانوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جب ظلم ہوتا ہے تو وہ دوسروں کے ساتھ ظلم کرنے سے پہلے دس دفعہ سوچتے ہیں کیوں کہ اس ظلم کی برائی ان پر اچھی طرح واضح ہو چکی ہوتی ہے۔یہی وہ اخلاقی احساس ہے جو معاشرے میں مجموعی طور پر خیر وفلاح پھیلاتا ہے۔لوگ ایک دوسرے کا درد سمجھ کر ان کی مدد کرتے ہیں اور یوں فرد اور معاشرہ دونوں فلاح پاتے ہیں۔

## مسائل سے ترقی

مصائب زندگی کا ایک اور اہم ترین پہلو یہ ہے کہ جو لوگ مسلسل مسائل سے گزرتے ہیں، وہ رفتہ رفتہ ان کے عادی ہو جاتے ہیں۔وہ ان سے نمٹنے کی حیرت انگیز صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کی ذہنی اور جسمانی استعداد بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

مشہور مورخ ٹوائن بی نے اس حقیقت کو چیلنج اور ریسپونس تھیوری کے عنوان سے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ان کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر تہذیب کو اپنے مرحلہ زندگی میں کسی بڑے چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ چیلنج اصل میں ایک مسئلہ ہوتا ہے۔مگر قوم کی تخلیقی اقلیت اگر اس مسئلے کا بھرپور جواب دے دے تو پھر وہ تہذیب ایک عظیم تہذیب بن جاتی ہے، ورنہ تاریخ کے قبرستان میں دفن ہو جاتی ہے۔ٹوائن بی کے نزدیک دنیا کی تمام عظیم تہذیبوں نے اسی عمل سے گزر کر جنم لیا۔

یہ مسائل قوموں کو کس طرح مضبوط اور توانا بناتے ہیں، تاریخ میں اس کی ایک اہم مثال وحشی اقوام کی متمدن اقوام پر فتح ہے۔ عام طور پر وحشی اقوام جو تمدن سے دور فطرت کی مشکلات میں زندگی گزارتی ہیں وہ ان آسانیوں اور سہولیات سے محروم ہوتی ہیں جو متمدن اقوام کو حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے لیے زندگی برقرار رکھنا ایک جہد مسلسل ہوتا ہے۔ یہ جہد مسلسل ان کو بہت مضبوط بنا دیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی ایسی وحشی قوم نے متمدن دنیا کا رخ کیا تو اس کو ادھیڑ ڈالا ہے۔اس کی ایک بڑی مثال تاتاریوں کی یلغار ہے جس نے پوری قدیم دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

یہی معاملہ افراد کا ہے۔انسان اگر مشکل حالات کا مقابلہ حوصلے اور ہمت سے کرے تو وہ مشکلات کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔مشکل حالات کا تجربہ انسان کو نہ صرف مضبوط کرتا ہے بلکہ بہت سے اسباق سکھا دیتا ہے۔مشکلات تو گزر جاتی ہیں، مگر یہ اسباق زندگی میں انسان کو ہمیشہ بہت کچھ دے کر جاتے ہیں۔انسان انھی کی وجہ سے ترقی کرتا اور زندگی میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ زندگی کی مشکلات خدا کی حکمت کا ایک حصہ ہیں۔ انسان اگر زندہ و بیدار ہو تو یہ مشکلات اسے بہت کچھ دے کر جاتی ہیں۔

جہاں رہیے بندگان خدا کے لیے رحمت بن کر رہیں، باعث زحمت نہ بنیے۔

--------------

ابو یحییٰ

# مضامین قرآن (37)

## دعوت کا ابلاغ: نبوت و رسالت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جس امتحان میں ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتا ہے یا نہیں۔ اس مقصد میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں خیر و شر کا شعور رکھا ہے اور دوسری طرف پہلے دن ہی سے اپنی مرضی سے آگاہ کرنے کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو ایک نبی بھی بنایا تھا۔ انھیں اپنی ہدایت سے نوازا۔ پھر عارضی طور پر ایک باغ میں رکھ کر انھیں ایک عملی تجربے سے گزار کر یہ بتایا گیا کہ کس طرح شیطان ان کا اور ان کی اولاد کا کھلا دشمن ہے۔ وہ انھیں اللہ کی مرضی سے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ پھر دنیا میں بھیجتے وقت ان کو یہ بتا دیا گیا کہ اب اللہ کی ہدایت ان کے پاس وقفے وقفے سے آتی رہے گی۔ جو اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ خوف و حزن سے نجات پا کر جنت کی بادشاہی کو پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔

### منصب نبوت اور وحی الٰہی

اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت انسانوں کو پہنچانے کے لیے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے براہ راست کلام فرمائیں۔ کسی انسان کی یہ حیثیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے شرف مخاطبت عطا کریں۔ اس مقصد کے لیے وہ انسانوں ہی میں سے کچھ شخصیات کو اپنے علم و حکمت کی بنیاد پر چن لیتے ہیں اور ان کو منصب نبوت پر فائز کر دیتے ہیں۔ یہ منصب کوئی کسبی چیز نہیں

بلکہ سرتاسر ایک وہبی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے علم وحکمت کی بنیاد پر عطا کرتے ہیں۔ ان انبیا پر اللہ تعالیٰ اپنی وحی نازل کرتے ہیں۔ یہ وحی براہ راست ان کے دل میں بھی اتاری جاتی ہے اور فرشتوں کے ذریعے سے بھی پہنچائی جاتی ہے اور کسی آڑ سے اللہ تعالیٰ یا فرشتے بھی انبیا سے کلام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ خواب یا بیداری میں حضرات انبیا کو مختلف غیر معمولی مشاہدات کرائے جاتے ہیں جو بہت سے غیبی حقائق اور مستقبل کے واقعات ان پر کھول دیتے ہیں۔

اس وحی کی بنیاد پر حضرات انبیا لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ فطرت انسانی میں موجود پوشیدہ حقائق کو بالکل کھول کر اور متعین کر کے انسانوں کے سامنے پیش کر دیں۔ توحید، آخرت اور فطرت صالح کو، مرغوب اعمال صالح ان کے سامنے بالکل واضح کر دیں۔ اس فطرت کی حفاظت کے لیے جو قوانین اللہ تعالیٰ نے طے کیے ہیں اور جن کو شریعت کہا جاتا ہے، ان سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اسی طرح حق کو اختیار کرنے اور باطل سے بچنے کے لیے ان کو حق کی یاددہانی کراتے رہیں اور اس بات سے خبردار کریں کہ ایک روز لوگوں کو اللہ کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس روز برے اعمال والے اپنی برائی کا انجام بھگتیں گے اور اچھے اعمال والے اپنے اعمال کا اجر پائیں گے۔

حضرات انبیا نبوت ملنے سے قبل بھی انسانی فطرت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہوتے ہیں اور نبوت پانے کے بعد جس دعوت کو لے کر اٹھتے ہیں خود اس کا بہترین نمونہ بن کر دکھاتے ہیں۔ تاہم یہ انبیا انسانوں کے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجے جاتے ہیں، اس لیے بشر ہی ہوتے ہیں لیکن بشر کامل بن کر آتے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو وہ دعوت حق پہنچاتے ہیں جو انسانوں کے اپنے وجود کی فطری پکار ہوتی ہے اور جس کی تصدیق وہ اپنے اندر موجود فطرت میں پاتے ہیں۔ ان کی دعوت ایسے روشن دلائل پر مشتمل ہوتی ہے جس کی تائید انفس و آفاق کی نشانیاں کرتی اور عقل

انسانی اس دعوت کی بھرپور تصدیق کرتی ہے۔اس کی بہت کچھ تفصیل ہم دلائل قرآن میں کرچکے ہیں۔اس کے ساتھ یہ انبیا اپنے ساتھ وہ معجزات لے کر آتے ہیں جو ان کے مخاطبین پر یہ آخری درجے میں واضح کر دیتے ہیں کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو ایک تیز رفتار اژدہا بن جایا کرتا تھا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خصوصی معجزات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا کلام قرآن مجید ان معجزات کی چند مثالیں ہیں جنھوں نے اپنے مخاطبین پر یہ واضح کر دیا تھا کہ ان کے پاس اس کے جواب میں پیش کرنے کو کچھ نہیں اور بلاشبہ یہ حضرات اللہ کے نبی ہیں۔

یہ حضرات انبیا ایک طرف نخل فطرت کا کامل نمونہ ہوتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان کی عصمت کا یہ خصوصی اہتمام کرتے ہیں کہ کوئی شیطانی دراندازی ان کو کبھی صحیح راستے سے نہیں پھیر سکتی۔نبوت ملنے کے بعد ہی نہیں بلکہ اسے پانے سے قبل بھی ان کی حفاظت کا وہ خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے جس کا ذکر حضرت یوسف کے واقعہ میں قرآن کرتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو عزیز مصر کی بیوی کے دام فریب میں مبتلا ہونے سے روکا۔قرآن مجید واضح ہے کہ اللہ کی برہان نہ ہوتی تو وہ اس دلدل میں اتر سکتے تھے جس کی طرف وہ عورت ان کو کھینچ رہی تھی،(یوسف 12:24)۔اس عصمت کے ساتھ اللہ کے خصوصی قرب اور بار نبوت کے بوجھ کو سہارنے کے لیے ان کو خصوصی عبادت و ریاضت کا حکم دیا جاتا ہے۔یوں ان کی ریاضت،ان کی عصمت اور ان کی فطرت اس عظیم ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے انتہائی موزوں بن جاتی ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں حضرات انبیا انسانیت کا گل سرسبد کہلاتے اور تمام جہان والوں پر فضیلت کے حقدار ہو جاتے ہیں۔یہی نہیں بلکہ اسی بنا پر وہ تمام انسانیت کے لیے ایک بہترین نمونہ اور قابل اطاعت ہستی قرار پاتے ہیں اور ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت قرار پاتی

ہے۔

**منصب رسالت**

منصب نبوت کے ضمن میں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ حضرات انبیا اللہ سے وحی و الہام پاتے ہیں اور انسانیت تک اس کا ابلاغ کرتے ہیں۔ انسانی فطرت میں جو ہدایت مجرد تصورات اور اجمالی شکل میں ودیعت کی گئی، وہ اسے کھول کھول کر اور بالکل متعین کر کے خدا کی مرضی ایک واضح شکل میں لوگوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ تاہم انسانی دنیا میں جہاں سماج ایک فرد کے مقابلے میں بہت طاقتور ہوتا ہے اور اکثر ریاست و اقتدار کی قوت حق کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے، اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ہدایت کے ابلاغ کو اس طرح یقینی بنایا جائے کہ قوم کسی صورت نبی کو مغلوب نہ کر سکے۔ بلکہ دعوت کے اختتام پر نبی اور اس کے پیرو کار قوم پر غالب آ جائیں۔ نہ ماننے والوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور ان کو عبرت کا نمونہ بنا دیا جائے۔

ایسا کرنے سے نہ صرف انسانیت کا سفر ایک دفعہ پھر وہیں سے شروع ہوتا ہے جہاں سے حضرت آدم اور ان کی اولاد نے حق کی مکمل روشنی میں کیا تھا بلکہ باقی دنیا کے سامنے بھی ایک نمونہ آ جاتا ہے کہ کس طرح روز قیامت خدا کی نافرمانی کرنے والے جہنم کے حقدار ہوں گے اور ماننے والے جنت کی بادشاہی کا انعام پائیں گے۔ اسی طرح خود نبی کے بارے میں آخری درجہ میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر یا رسول ہے۔ جن انبیاء سے یہ خدمت لی جاتی ہے اور ان کا دنیا ہی میں خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہونا آخری درجہ میں ثابت کر دیا جاتا ہے، ان کو اصطلاحاً رسول کہا جاتا ہے۔

ان رسولوں کے ذمے یہ کام ہوتا ہے کہ وہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا پیغام اس طرح واضح کر دیں کہ قیامت کے دن انسان یہ عذر نہ پیش کر سکیں کہ ان تک ہدایت نہیں پہنچ سکی۔ چنانچہ یہ

رسول اپنی دعوت قوم کو پہنچاتے ہیں، ان پر آخری درجہ میں حق واضح کرتے ہیں، ان کے سامنے اپنے معجزات پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ان کی بات نہیں مانی گئی تو قوم پر خدا کا عذاب اسی دنیا میں آجائے گا۔ چنانچہ ایک وقت کے بعد جس کا تعین اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، ان رسولوں کو اپنے ساتھیوں سمیت ہجرت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد قوم پر عذاب آجاتا ہے اور صرف اہل ایمان کو اس عذاب سے بچایا جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی ہونے کے ساتھ ایک رسول بھی تھے۔ آپ کے بعد نبوت ورسالت کا ادارہ قیامت تک کے لیے ختم کر دیا گیا ہے۔ آپ آخری نبی اور رسول تھے۔ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ آپ کے سوا تا قیامت اب کسی اور کی پیروی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

## قرآنی بیانات

''ہم نے (اے پیغمبر)، تمھاری طرف اسی طرح وحی کی ہے، جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف کی تھی۔ اور ہم نے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی، اور داؤد کو ہم نے زبور عطا فرمائی تھی۔ ہم نے اُن رسولوں کی طرف بھی وحی بھیجی جن کا ذکر ہم تم سے پہلے کر چکے ہیں اور اُن رسولوں کی طرف بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا، اور موسیٰ سے تو اللہ نے کلام کیا تھا، جس طرح کلام کیا جاتا ہے۔ یہ رسول جو بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجے گئے تا کہ اِن رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہ رہے، اور اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔'' (النساء 4:165-163)

''ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بھیجا ہے، بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر، اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔'' (فاطر 35:24)

''اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعے سے یا پردے

کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجے اوراس کے اذن سے جو وہ چاہے،اس کی طرف وحی کردے۔وہ بڑا ہی عالی مقام اور بڑی حکمت والا ہے۔'' (الشوریٰ 51:42)

'کہہ دو: پاک ہے میرا پروردگار، کیا میں ایک پیغام سنانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟ اور لوگوں کے سامنے جب ہدایت آئی تو اُن کو ایمان لانے سے کسی چیز نے نہیں روکا، مگر اُن کی اس بات نے کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو: اگر زمین پر فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔'' (بنی اسرائیل 17:95-93)

''اور وہ عورت تو اس کی طرف بڑھ ہی چکی تھی، یوسف بھی بڑھ جاتا اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ ہم نے ایسا ہی کیا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بے شک، وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔'' (یوسف 24:12)

''اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا وہ رسول آجائے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا''، (یونس 47:10)

''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔'' (النساء 64:4)

''تیرے پروردگار کی قسم، یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے اختلافات میں تمہی کو حکم نہ مانیں اور جو فیصلہ تم کر دو، اپنے دلوں میں تنگی محسوس کیے بغیر اس کے آگے اپنے سر نہ جھکا دیں۔'' (النساء 65:4)

''ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا اور (یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ) اللہ بخشنے والا ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔'' (آل عمران 31:3)

''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔'' (الاحزاب 40:33)

---------------

جاوید چوہدری

## ہم دنیا کی نالائق ترین قوم ہیں

ریجنٹ پلازہ کراچی کی شاہراہ فیصل پر واقع تھا، یہ ہوٹل ائیر پورٹ سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا، یہ ذوالفقار علی بھٹو کے دور تک پورے گلف میں مشہور تھا۔ یہ ایشیا کے اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں شمار ہوتا تھا لیکن پھر یہ حالات کا شکار ہوتا چلا گیا، عمارت بکتی اور خریدی جاتی رہی اور اس میں لاتعداد ناموں سے ہوٹل بنتے اور بند ہوتے رہے لیکن ان تمام تر ناکامیوں کے باوجود یہ عمارت زندہ بھی رہی اور اس میں کوئی نہ کوئی ہوٹل بھی چلتا رہا مگر پھر 4 اور 5 دسمبر کی درمیانی رات آ گئی، رات دو بجے کچن میں آگ لگی، ہوٹل میں دھواں بھرا اور یہ عمارت خوفناک المیہ بن گئی، آگ نے چھ منزلوں کو لپیٹ میں لے لیا، ہوٹل میں اس وقت 600 لوگ مقیم تھے، یہ تمام لوگ عمارت میں پھنس گئے، افراتفری مچی تو پتہ چلا ہوٹل میں آگ بجھانے کا کوئی بندوبست نہیں، آلات پرانے بھی ہیں اور ناکارہ بھی، عملے کو آگ بجھانے کی ٹریننگ نہیں، ہوٹل سے نکلنے کے ہنگامی راستے بند ہیں اور الارم سسٹم کام نہیں کر رہا، مہمانوں کو اس وقت تک آگ کی اطلاع نہ مل سکی جب تک دھوئیں نے ان کا گلہ نہ دبا دیا' فائر فائٹرز کے پاس لمبی سیڑھیاں' رسے' پائپ' ماسک' آکسیجن کے سلنڈر اور ہوٹل کے نقشے بھی نہیں تھے، مناسب تعداد میں ایمبولینسز اور طبی عملہ بھی نہیں تھا چنانچہ اس افراتفری میں 12 افراد جاں بحق اور 117 زخمی ہو گئے اور جو بچ گئے وہ کھڑکیوں کے شیشے توڑ کر اور بستروں کی چادروں کے رسے بنا کر باہر نکلے' ہوٹل کا منیجر بابر الیاس بہادر تھا' وہ ہوٹل میں پھنسے لوگوں کو نکالتے ہوئے جاں بحق ہو گیا۔

یہ حادثہ ایک ایسا ڈیٹرجنٹ پاؤڈر ثابت ہوا جس نے ہماری اہلیت' ذہانت اور مہارت کے تمام کچے رنگ اتار دیئے' جس نے ہمیں دنیا کے سامنے ننگا کر دیا' جس نے ثابت کر دیا کہ

ہمارے ملک میں فور اور فائیو سٹار ہوٹل بھی محفوظ نہیں ہیں‘ جس نے دنیا کو بتا دیا کہ کراچی جیسے بڑے شہروں میں بھی آگ بجھانے کے آلات‘ فائر بریگیڈ اور فائر فائیٹنگ کی جدید تکنیکس موجود نہیں ہیں‘ یہ ایک المیہ تھا‘ آپ اب دوسرا المیہ ملاحظہ کیجیے ہم نے دیگر واقعات کی طرح اس واقعے کو بھی 15 دنوں میں فراموش کر دیا‘ وزیراعلیٰ نے نوٹس لیا‘ حکومت نے چھوٹی سی رپورٹ بنوائی اور یہ نوٹس اور یہ رپورٹ بھی دوسری رپورٹوں اور نوٹسز کے ساتھ ردی کے ڈھیر میں دفن ہو گئی‘ قصہ ختم۔ ہماری حکومتیں بادشاہ ہیں‘ یہ قصے ختم کرتی آئی ہیں اور یہ مستقبل میں بھی ختم کرتی رہیں گی لیکن وہ معصوم لوگ جو اس حادثے میں مارے گئے کیا ان کے لواحقین بھی بھول جائیں گے؟ جی نہیں یہ سانحہ ناسور بن کر پوری زندگی ان کے وجود کا حصہ رہے گا‘ مجھے حکومتوں سے زیادہ توقعات نہیں ہیں لیکن ہم اگر عوام کو ذرا سا ٹرینڈ کر دیں تو مستقبل میں بے شمار لوگ ایسے واقعات اور حادثات سے بچ سکتے ہیں‘ ہم اگر ذرا سی توجہ دیں تو ہم صورت حال کو بہتر بنا سکتے ہیں لیکن کیسے؟ ہمیں اس کے لیے اپنی زندگی میں چند عادتوں کا اضافہ کرنا ہوگا‘ مثلاً آپ جب بھی کسی ہوٹل میں قیام کریں‘ آپ کمرے میں داخل ہوتے ہی مین دروازے کے پیچھے لگا نقشہ پڑھیں اور ایمرجنسی کی صورت میں ہوٹل سے نکلنے کے راستے ازبر کر لیں‘ میں عموماً ہوٹل میں چیک ان کرنے کے بعد ایمرجنسی راستہ تلاش کرتا ہوں اور ایک بار اس سے گزر کر ہوٹل سے ضرور باہر جاتا ہوں خواہ ہوٹل دس منزلہ ہی کیوں نہ ہو‘ اگر کمرے کے دروازے کے پیچھے نقشہ نہ ہو تو آپ فوراً استقبالیہ پر فون کریں اور ان سے نقشہ حاصل کریں‘ آپ کمرہ ریزرو کراتے وقت بھی یہ معلومات لے سکتے ہیں‘ آپ کو اگر ذرا سا بھی شک ہو تو آپ اس ہوٹل میں کمرہ بک نہ کرائیں‘ آپ کو اگر کمرے میں دھواں محسوس ہو تو آپ سب سے پہلے کھڑکی کھولیں‘ اگر کھڑکی کا شیشہ ہو تو آپ شیشہ توڑ دیں‘ آپ شیشہ توڑنے کے بعد باتھ روم میں جائیں‘ تمام تولیے پانی سے تر کریں‘ یہ فکس تولیے گردن پر لپیٹیں‘ منہ پر رکھیں اور کمرے سے باہر آ جائیں‘ آپ اگر اپنے لباس کو بھی

پوری طرح گیلا کرلیں گے تو یہ بھی آپ کے لیے اچھا ہوگا' آپ ننگے پاؤں ہرگز باہر نہ نکلیں' آپ کے پاؤں میں شیشے لگ جائیں گے اور یوں آپ بھاگ نہیں سکیں گے' میرے اکثر دوست ہوٹل میں ''چیک ان'' کرتے وقت کوریڈور میں آگ بجھانے والے سلنڈر دیکھتے ہیں۔ اگر سلنڈر ہوں تو یہ جگہ ذہن نشین کر لیتے ہیں' آپ بھی یہ معمول بنالیں اور آپ اگر خدانخواستہ آگ کا شکار ہو جاتے ہیں تو آپ سیدھے ان سلنڈر کی طرف جائیں اور ان کا لیور کھینچ دیں' آپ ایمرجنسی میں اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو بھی ضرور فون کریں' یہ فون بھی آپ کی مدد کرے گا' آپ کا کوئی نہ کوئی دوست وہاں ضرور پہنچ جائے گا' آپ جتنا ممکن ہو جھک کر آگے بڑھیں' دھواں ہمیشہ اوپر کی طرف اٹھتا ہے' فرش کے قریب آکسیجن ہوتی ہے' یہ آکسیجن آپ کی مدد کرے گی' آپ کے پاس اگر چوائس ہو تو آپ کوشش کریں آپ بالکونی والا کمرہ لیں یا پھر کم از کم آپ کا کمرہ باہر کی طرف ہونا چاہیے' آپ ایمرجنسی میں کھڑکی میں کھڑے ہو جائیں اور چادر لہرانا شروع کر دیں یہاں تک کہ ریسکیو ورکرز آپ کو دیکھ لیں' آپ اگر بالائی منزلوں پر ہیں تو آپ کھڑکی سے کودنے کی غلطی نہ کریں کیونکہ آپ آگ سے تو بچ جائیں گے لیکن آپ کود کر نہیں بچ سکیں گے' آپ کو رہائش کے دوران ہوٹل میں جو بھی خامی نظر آئے آپ چیک آؤٹ کرتے وقت ہوٹل کی انتظامیہ کو وہ ضرور بتائیں' آپ اگلی مرتبہ اس ہوٹل میں آئیں تو آپ ان خامیوں کا جائزہ لیں اور آپ کو اگر اس بار بھی وہ خامیاں نظر آئیں تو آپ اپنی پرانی شکایت کا حوالہ دے کر دوبارہ شکایت درج کرائیں' آپ اپنے دوستوں کو بھی ان خامیوں سے ضرور مطلع کریں تا کہ وہ بھی جب اس ہوٹل میں ٹھہریں تو وہ بھی ان کا جائزہ لیں اور انتظامیہ کو بتائیں۔

ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے ہماری حکومتیں نالائق اور ہمارے سرکاری ادارے بے حس ہیں' یہ عوام کے لیے کچھ کر رہے ہیں اور نہ کریں گے' اپنے اور اپنے خاندان کو بچانا ہماری اپنی ذمہ داری ہے' ہمیں یہ ذمہ داری خود نبھانا ہوگی چنانچہ ہمیں چاہیے ہم اپنی گاڑی میں آگ بجھانے کا سلینڈر

ضرور رکھیں‘ ہم اپنے بچوں کی اسکول وین میں بھی اس کا بندوبست کرائیں‘ ہم مالکان اور کمپنی سے درخواست کریں وہ وین یا بس میں سلینڈر لگوا دیں‘ ہم بچوں کو ٹریننگ دیں وہ سلینڈر کی ایکسپائری ڈیٹ یاد کرلیں‘ وہ والدین کو ایکسپائری ڈیٹ سے ایک ماہ پہلے اطلاع دے دیں اور والدین کمپنی کو ’’ری فلنگ‘‘ کی یاددہانی کرادیں‘ ہم بسوں اور ٹرینوں میں سفر کرتے وقت بھی انتظامیہ کو آگ بجھانے والے آلات رکھنے کا مشورہ دیں‘ یہ لوگ اگر ہمارے مشورے پر عمل نہ کریں تو ہم ان کی بسوں میں سفر کرنا بند کردیں‘ ہمارا یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہے جب تک وہ بسوں میں سلینڈر نہیں رکھتے‘ آپ رات سونے سے پہلے پانی کا جگ یا بوتل بستر کے قریب رکھ لیا کریں‘ یہ پانی آپ کو ہنگامی صورت حال میں مدد دے گا‘ آپ اپنے خاندان کو فرسٹ ایڈ اور آگ سے بچنے کی ٹریننگ بھی دلوائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو آپ انٹرنیٹ سے ریسکیو کی شارٹ فلمیں نکالیں‘ خود بھی دیکھیں اور اپنے بچوں کو بھی دکھائیں‘ یہ بھی آپ کو فائدہ پہنچائیں گی اور میری حکومت سے بھی درخواست ہے‘ یہ اگر ملک کے 20 بڑے شہروں کو فائر بریگیڈ کا جدید اور ایکٹو سسٹم نہیں دے سکتی‘ یہ اگر تھری‘ فور اور فائیو سٹار ہوٹلوں اور ریستورانوں سے بھی ’’ایس او پیز‘‘ پر عملدرآمد نہیں کراسکتی تو پھر اس کو ملک پر حکمرانی کا کوئی حق نہیں‘ یہ لوگ پھر واقعی لوگوں کے قاتل ہیں اور ان کے گریبان قیامت کے دن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوں گے اور میری آخر میں ہوٹل انڈسٹری سے بھی درخواست ہے ملک میں اگر تھری‘ فور اور فائیو سٹار ہوٹلوں کی انتظامیہ بھی ہنگامی صورتحال کی ’’ایس او پیز‘‘ فالو نہیں کررہیں تو پھر اس ملک کا واقعی خدا حافظ ہے‘ پھر ہم دنیا کی نالائق ترین قوم ہیں‘ ہمیں یہ نالائقی فوری طور پر تسلیم کرلینی چاہیے اور ہمیں ملک میں ’’ہم دنیا کی باصلاحیت ترین قوم ہیں‘‘ جیسے فقروں پر پابندی لگادینی چاہیے‘ ہمیں یہ دعویٰ ترک کردینا چاہیے۔

---------------

سیّد اسرار احمد

## پانی مت ڈھونڈ پیاس پیدا کر!

ایک رات ایسی بھی آئی جب ایک بے نام بے چینی نے اسے نیند سے نا آشنا کر دیا، دل ایک مضطرب بیداری بن کر آنکھوں میں بھر آیا، درختوں میں ہوا کی سرسراہٹ قدرت کے عالی شکوہ گنبد میں کسی سانپ کی پھنکار کی پُراسرار گونج معلوم ہوتی، گویا فطرت کی آہ سرد ہے، یا وجدان میں الہام کی سرگوشی، جو ایک عظیم الشان کائنات کے خاموش اندھیرے میں اُسے غرقِ تحیر کر رہی تھی، ہر رات نئے سوالات ناگ کے پھن کی مانند ذہن میں اُٹھتے رہتے، اُس نے سوچا:

اے ایشور! تیری ہدایت کو پانا اس قدر مشکل کیوں ہے!!!

اُس پر زمانے بیت گئے، من میں سوالات اور شکوک وشبہات سانپ بن کر لوٹتے رہے، وہ ادھوری خواہشات کا استعارہ ناکام تمنّاؤں اور سلگتے ارمانوں کے کشکول لیے زندگی سے یوں لٹک رہا تھا جیسے دسمبر میں نرگس کے سفید پھول کی پنکھڑی پر جما شبنم کا قطرہ...... جسے ہلکی سی دھوپ کی تمازت درکار تھی، اور وہ پگھل کر پانی ہو جاتا۔

وہ روشنی ونور کی راہ پانے کے لیے اندھیروں میں بھٹکتا رہا، زیست سے بس اتنی ہی نسبت رہی جیسے پلکوں پر اٹکا آنسو، جسے بس ایک جھپکی کی ضرورت تھی......اب گرا کہ تب گرا!

ایک روز دل کی دنیا میں صدا بلند ہوئی۔

مہاراج! ہدایت جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر مخفی کیوں ہے؟

کیا کہنا چاہتے ہو بالک؟

جواب ملا۔

میرا مطلب ہے مہاراج!

جس ہدایت کو پانے اور اسے سمجھنے کے لیے من کے سچے ودیارتیوں (متلاشیٔ حق) پر زمانے بیت جاتے ہیں مدتیں گزر جاتی ہیں، خود میں نے بھی اس جیون بھید کو پانے کے لیے اشلوک پڑھے، مقدس اوراق میں غرق رہا، ہر ایک لغزش مجھے گویا غرقابی کی گود تک لے جاتی، میری دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتیں، میں نے چلے کاٹے۔ معبدوں، مندروں، گرجوں چرچوں اور مسجدوں کی خاک چھانی۔ پامال راستوں سے ہزار بار گزرا۔ گھونگھرو باندھے۔ ہر گلی میں تماشہ کیا۔ کہ پیش یار می رقصم۔ سر بازار می رقصم۔

مہاراج! ہدایت کو ڈھونڈنے میں اس قدر جوکھم اور پیچیدگیاں کیوں ہیں؟

اسے پانا آسان کیوں نہیں؟ خدا کیوں نہیں ساری انسانیت کو شروع ہی سے ایک راستے پر ڈال دیتا؟ یا اُس رستے کو سمجھنا آسان کر دیتا، یہ رنگ رنگ کے عقیدے، یہ بھانت بھانت کی بولیاں، یہ سورگ و نرک کے جھگڑے، یہ دھرم کے نام پر دنگے اور قتل، یہ اناالحق کے نعرے، اور ان نعروں کے بیچ سسکتی انسانیت۔۔آخر کیوں؟؟

سُنو بالک!

ودیارتی (متلاشیٔ حق) کی بے قراری پر اندر کی آواز اور گہری ہوگئی:

بالک! اتہاس گواہ ہے، انسان کے من میں جس چیز کی سچی تڑپ اور اِچھّا (طلب) ہوتی ہے وہ چیز اسے مل کر رہتی ہے، جیون بھید ساگر کی تہہ میں بھی ہو تو سچّے ودیارتی ڈھونڈ لاتے ہیں، اس لیے کہ جس چیز کے تم سچے طالب ہو وہ چیز بھی تم سے ملنے کو اتنی ہی بے قرار و بے چین ہوتی ہے۔

ودیارتی! اسے پانا مشکل نہیں ہے، خُود کو اس کا سچا طالب بنانا مشکل ہے،

بالک! پانی مت ڈھونڈ، پیاس پیدا کر!

تُم جاننا چاہتے ہو، ہدایت ڈھونڈنی کیوں پڑتی ہے؟ کیونکہ ہدایت انمول ہے، یہ بڑھیا مال گھٹیا چیز کی طرح جھولی میں نہیں ڈالا جاتا،

اس کے لیے بھیک نہیں مانگ، اپنے من کو کشکول بنا اور پورا وجود بھیک کی صوُرت بنا لے، کیونکہ اس کا بدلہ ہمیشگی کا چین وسکون ہے۔

خُدائے لم یزل نے سچائی اور حقیقت کو چھپایا ہی اس لیے ہے کیونکہ جس خزانے کو ڈھونڈ کر پایا جاتا ہے اس کے ساتھ انسان کا تعلق انتہائی گہرا اور مضبوط ہوتا ہے، عقل اور شعور کو تھکا کر جس ایمان کو پایا جائیگا وہی معرفت بنے گا، وہی ایمان زندگی میں طوفان بن کر شامل ہوگا اور ظاہر و باطن کو سر سے پاؤں تک بدل ڈالے گا، من میں وہ مٹھاس گھول دے گا جو تُجھے شہد میں بھی نہیں ملے گی۔ بالک! جس چیز کو تم بے محنت اور بن کوشش پاؤ گے اس کے ساتھ تمہارا لگاؤ بھی کم ہوگا۔

خُدا کا مقصد تمہیں پاکیزگی دینا ہے، تم جب جب اُس کے عشق میں گھنگھرو باندھے گلی و بازار میں رقصاں رہے، پورب و پچھّم میں دھرتی و پربت بھی جھومتے رہے۔

آج تم ودیارتی (متلاشیٔ حق) ہو کل انسانیت کے لیے موجب ہدایت بنو گے، جیون کی جو جو رات تم پر بے قراری بن کر نازل ہو وہ بے قراری خُدا کا انعام ہے، اس بے یقراری کی دستک جب جب من میں پاؤ، تو سمجھ جانا کہ ہدایت تمہارے ارد گرد منڈلا رہی ہے۔

کسی کے من میں ہدایت کی سچی طلب کا جاگنا، خُود پانے ہی کا نقطہءآغاز ہے۔

ہدایت کا پالینا اور ہدایت کا سچا طالب ہونا، ایک ہی سفر کے اگلے اور پچھلے مرحلے ہیں،

سُنو عزیز من، سچے ودیارتی!

جو ہدایت کا طالب ہوگا وہ نور ہدایت سے کبھی محروم نہیں رہے گا!

________________

فرح رضوان

## اللہ کے نام پہ دے دے بابا

کیا آپ نے اپنے اس گناہ جاریہ کے بارے میں کبھی غور کیا ہے کہ پیشہ ور بھکاری کو بھیک دے کر آپ ان کے ہر ایک جرم میں برابر کے شریک ہو رہے ہیں

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۔ "اور سائل کو نہ جھڑکو"

اس آیت کا جتنا غلط مفہوم ہم پاکستانی مسلمانوں نے سمجھا ہے اتنا ہی شدید ناجائز فائدہ اس غلط فہمی سے جاہل، کاہل ضمیر فروش پیشہ ور بھکاریوں نے اٹھایا ہے۔

آئے دن اس انڈسٹری کو مزید پروان چڑھانے کے لیے بچے اغوا ہوتے ہیں، ان بچوں کے ساتھ جتنا ظلم ہوتا ہے، ان کے والدین پر جو غم کا پہاڑ ٹوٹتا ہے، اس تمام کارگزاری کے پیچھے کسی مافیا کا نہیں بلکہ ہر اس انسان کا ہاتھ ہے جو سڑک چھاپ پیشہ ور فقیروں کو بھیک دے کر ان کی معاونت فرماتا ہے۔

ذرا سوچیں تو سہی کہ گزشتہ چند ہی سالوں میں آپ کی اس ایک غلط فہمی اور خوف کے سبب آپ کے دست مبارک سے ملک کے ہر چوراہے پر کیا فصل تیار ہوئی ہے۔

لوگ ماں کی بد دعا سے نہیں ڈرتے، کمزور کا حق دباتے نہیں ڈرتے، صبح شام جھوٹ بولتے نہیں ڈرتے، جان بوجھ کر نماز قضا کرنے سے نہیں ڈرتے، سکرین کے نشے میں دھت، اپنے دل دماغ، کانوں اور آنکھوں کی جواب دہی سے نہیں ڈرتے لیکن!!! سڑک پر ایک مانگنے والے کی بد دعا سے ڈرتے ہیں۔ یہ بات مذہب کی کس کتاب میں درج ہے کہ ایسے پیشہ ور کردار کی بد دعا سے ڈرو؟

آپ کا یہی خوف دولے شاہ کے چوہے (جن بچوں کو جبراً ذہنی معذور بنا دیا جاتا ہے) ایک

اور کر یہہ انڈسٹری سالوں سے چلا رہا ہے۔ آپ جو سخی داتا بن کر جیب سے سکے نکال کر انکے حوالے فرما دیتے ہیں، دراصل سانپ کو دودھ پلا رہے ہوتے ہیں ایک آدم خور جنگل کی آبیاری فرما رہے ہوتے ہیں۔ انتہائی بنیادی ضرورت انسان کی خوراک اور پھر لباس ہے جو جگہ جگہ ایدھی چھیپا وغیرہ کے یونٹس پر ہر دم دستیاب ہے، آپ بس اتنا کریں کہ ان کو جھڑکیں نہیں اور ایسے یونٹس کا رستہ بتا دیں تا کہ واقعی کوئی بھوکا ہے تو اس کی ضرورت پوری ہو جائے اور آپ کے اسے دیے ہوئے پیسے کسی بھی گناہ جاریہ کا سبب نہ بن جائیں۔ اس لیے براہ کرم پوری قوم پر اور خود پر ہر طرح سے رحم کیجیے۔ پہلی بات ان پیشہ وروں کے نشے اور عیاشی کا سامان مہیا کرنے سے خود کو روک کر، دوسرا اس بات پر غور فرما کر کہ مدد تو خواہ گھر والوں میں سے ہی کسی کی ہو، وہ اللہ کے نام پر ہی تو ہوتی ہے۔ اب کوئی ماں یا ساس، بہو یا بیٹی کو یہ صدا تو نہیں لگا سکتی ناں کہ اللہ کہ واسطے گھر کے کاموں میں میرا ہاتھ بٹا دے بابا، یا باپ اپنے بیٹوں اور دامادوں کو کہ آپس میں درگزر کا رویہ اپنا لے بابا، ٹی وی پر مصنوعی انسانوں سے جی بہلاتے تھک چکے ہیں تمہارے بزرگ ان کو اپنا کچھ وقت دے دے بابا، سائل تو یہ بھی ہیں ناں، اور سائل تو وہ بھی ہوتا ہے جو کسی تنازع کے بعد آپ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اس سے رعونت برتتے، اس کی نیت پر شک کر کے اس کی تذلیل اس کی غیبت کرتے اس پر بہتان لگاتے، اس کی بددعا سے خوف نہیں آتا؟

سائل تو وہ طالب علم بھی ہوتے ہیں جو سرکاری اور دیہی سکول کے اخلاق سے نابلد اساتذہ سے کوئی سوال دو سے تین بار پوچھ لیں تو صرف جھڑکی ہی نہیں مار کے بھی مستحق ہو جاتے ہیں۔ اور سائل تو لڑکی والوں سے جہیز کا سوال کرنے والے بھی ہوتے ہیں، اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ ان کو بھکاری کی لسٹ میں ڈالتے ہیں یا بھتہ خوروں کی، میری لغت میں تو ان کا شمار دہشتگردوں میں ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ صرف غیر مسلم ہی ہیں جو آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں ہم نہیں؟ جن کے ذہنوں میں مانگنے والوں کی بد دعاؤں کے شرف قبولیت کے خوف بٹھا دیے گئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ ایسے سفید پوش لوگوں کو پہچان کر ان کی ضرورتیں پوری کر دو جو تم سے لپٹ کر خودداری اور حیا کے سبب ہاتھ پھیلا کر مدد طلب نہیں کرتے ۔ اور اگر واقعی آپ کو لگتا ہے کہ نہیں یہ ٹوٹی پھوٹی ہاتھ گاڑی پر بیٹھا فقیر واقعی مستحق ہے تو پھر اسے سکے دے کر مطمئن نہ ہوں کہ آپ نے نیکی کر لی ہے کیونکہ آپ نیکی کو پہنچ ہی نہیں سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز اس کے حوالے نہ کر دیں ۔ ارے واہ کیا بات ہے، تو کیا آپ دے رہے ہیں اسے اپنی ایئر کنڈیشنڈ کار! نہیں! تحقیق کریں گے، اتنی بڑی خیرات کرنے سے قبل؟ تو بھائی یہی تو چھوٹی خیرات دینے سے پہلے سوچنا ہے ناں کہ آپ کا ذرا سا مال کروڑوں کے ذرا ذرا سے مل کر کیا کمال دکھا رہا ہے، اور کیسا وبال مچا رہا ہے۔

نیت!!! یہ درست سوال اٹھایا ہے آپ نے لیکن ساتھ ہی دوسرا سوال بھی تو نچلا نہیں بیٹھ رہا ناں کہ بدعت میں مبتلا فرد بھی تو انتہائی عقیدت اور نیک نیتی سے ایک خود ساختہ کام کو نیکی سمجھ کر کرتا اور پھیلاتا ہے، اس کا حشر یوم حشر کیا ہوگا اگر وہ تائب نہ ہوا تو؟ اور کیا وہ تائب ہوگا جب تک کہ اپنے اس عمل کو اپنی نیت کی بنا پر درست سمجھ کر اڑا رہے گا؟

سو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ گھر والوں پر کریں۔ والدین، بہن بھائیوں، بیوی بچوں اور رشتہ داروں پر کریں۔ غریبوں اور مسکینوں پر کریں۔ مگر پیشہ ور لوگوں پر نہ کریں۔ ان پر نہ کریں جو معاشرے میں مانگنے والوں کی ایک پوری انڈسٹری چلا رہے ہیں۔ جو معصوم بچوں کو اغوا کر کے، انھیں معذور کر کے آپ کے جذبہ ترحم کا استحصال کرتے ہیں۔

---

مبشر نذیر

# ترکی کا سفرنامہ (41)

## شاہراہ ریشم

اب ہم ارض روم سے مشرق کی طرف جا رہے تھے۔ یہ شاہراہ ریشم (Silk Route) تھی۔ بعض قارئین کو حیرت ہو گی کہ شاہراہ ریشم تو اپنی شاہراہ قراقرم کو کہا جاتا ہے جو چین جاتی ہے، یہ ترکی میں کہاں سے آ گھسی۔ شاہراہ ریشم کسی خاص سڑک کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک قدیم راستے بلکہ راستوں کے مجموعے کا نام ہے جس کے ذریعے یورپ سے لے کر چین تک تجارت کی جاتی تھی۔ یورپ سے تجارتی سامان بلیک سی کے راستے ترابزن لایا جاتا جہاں سے یہ ارض روم پہنچا دیا جاتا۔ یہاں سے تجارتی قافلے ایران کے شہر تبریز پہنچ جاتے۔ اس کے بعد یہ زنجان، قزوین، تہران اور نیشاپور سے ہوتے ہوئے پورا ایران پار کر کے ہرات سے افغانستان میں داخل ہوتے۔ ان قافلوں میں سے بعض بخارا، سمرقند اور تاشقند سے ہوتے ہوئے دریائے آمو کے ساتھ ساتھ چین کی طرف چلے جایا کرتے تھے۔

افغانستان میں یہ تجارتی قافلے ہرات، قندہار، غزنی اور کابل سے سفر کرتے ہوئے پشاور کے قریب موجودہ پاکستان کے علاقے میں داخل ہوتے۔ یہاں سے شاہراہ ریشم کے دو حصے ہو جایا کرتے تھے۔ ایک حصہ جنوب مشرق میں لاہور اور پھر دہلی تک جاتا جبکہ دوسرا حصہ شمال مشرق میں مانسہرہ اور گلگت سے ہوتا ہوا چین کے شہر کاشغر پہنچ جاتا۔ یہاں سے پھر آگے چین کے دیگر شہروں میں تجارت ہوا کرتی تھی۔

دور جدید میں سلک روٹ کو دوبارہ آباد کرنے کی کئی مرتبہ کوشش کی گئی ہے۔ شاہراہ قراقرم کی صورت میں چین اور پاکستان نے سڑک تعمیر کر دی ہے۔ ایران اور ترکی میں ان کی سڑکوں کا اپنا

نیٹ ورک موجود ہے۔ درمیان میں افغانستان کے حالات کی وجہ سے یہ لنک ٹوٹا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اس ملک کو امن نصیب کر دے تو یہ رابطہ دوبارہ بحال ہو سکتا ہے۔ جن دنوں ہم ترکی میں شاہراہ ریشم پر سفر کر رہے تھے، انہی دنوں یہ خبر بھی نظر سے گزری کہ اسلام آباد سے استنبول تک کارگو ٹرین سروس کا آغاز ہو رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ جدید دور کی شاہراہ ریشم ثابت ہو جائے۔

## فیری چمنی

ہمارے ساتھ ساتھ ریلوے لائن چل رہی تھی۔ ارض روم سے نکل کر پہلا شہر "پسنلر" آیا۔ یہاں پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ بنا ہوا تھا۔ قلعے کے نیچے ایک عجیب منظر تھا۔ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کون نما گھر بنے ہوئے تھے۔ ایسے گھر ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آتش فشانی مادہ پر مشتمل کونز تھیں جن کو کھوکھلا کر کے لوگوں نے ان میں اپنے گھر بنا رکھے تھے۔ انہیں "فیری چمنی" کا نام دیا گیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے گھر ترکی کی مشہور تاریخی سائٹ "کپادوجیا" میں واقع ہیں۔ فیئری چمنی کو دیکھنے کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم "کپادوجیا" کے طویل سفر سے بچ گئے جو کہ ان فیری چمنیوں کا گڑھ ہے۔

## سلاجقہ

پسنلر کا قلعہ سلجوقی دور کی یادگار لگ رہا تھا۔ قلعہ سیاہ رنگ کی چٹانوں کے اوپر بنا ہوا تھا۔ بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ قلعہ رومن دور میں آرمینیوں نے تعمیر کیا۔ اس کے بعد سلجوقی دور کے گورنر اوزون حسن نے پندرہویں صدی میں اس کی تعمیر نو کی۔ سلجوقی حکمرانوں کا تعلق ترکمانستان سے تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان قبائل نے منظّم ہونا شروع کیا۔ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں یہ جنوب کی طرف اپنی حکومت کو توسیع دیتے چلے گئے۔ ان کے لیڈر کا نام سلجوق تھا۔

1055ء میں سلجوق کے پوتے طغرل بیگ نے بغداد فتح کر لیا۔ اس زمانے میں عباسی بادشاہ وزیروں کے مشہور خاندان "آل بویہ" کے زیر اثر ہوا کرتا تھا۔ حکومت کے تمام فیصلے آل بویہ کیا کرتے۔ طغرل بیگ نے اس خاندان کے اثر سے بادشاہ کو آزاد کروایا۔ اب عباسی بادشاہ سلجوقیوں کا سرپرست تھا جبکہ حقیقی حکومت سلاجقہ کے ہاتھوں میں تھی۔ طغرل بیگ کے بعد حکومت اس کے بھتیجے الپ ارسلان کے ہاتھ میں آئی جس نے سلطنت کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے بعد ملک شاہ کا دور آیا جس میں سلجوقی سلطنت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ انہوں نے رومیوں کو متعدد جنگوں میں شکست دے کر تقریباً پورے اناطولیہ پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ بعد میں انہوں نے قونیہ کو اپنا دارلحکومت قرار دیا۔

سلجوقی حکمران علم کے دلدادہ تھے۔ انہوں نے پورے ملک میں تعلیمی اداروں کا جال بچھا دیا۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اس کے علاوہ پورے ملک میں سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کر کے انہوں نے تجارت کو فروغ دیا۔ تقریباً 1300ء کے لگ بھگ سلجوقی سلطنت کا زوال شروع ہوا جب یہ مشرق سے تاتاریوں کی یلغار کے آگے نہ ٹھہر سکے۔ اس کے بعد ایران کی صفوی حکومت اور وسطی ایشیا کی عثمانی حکومت کی یلغاروں نے سلاجقہ کا خاتمہ کر دیا۔

پسنلر سے آگے نکلے تو ہم نے خود کو ایک وسیع وادی میں پایا۔ پہاڑ اب کافی دور ہو چکے تھے۔ وسیع وادی میں ہم دریائے آرس کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ دریا کی وجہ سے یہ وادی قابل کاشت تھی اس لئے دور دور تک کھیت ہی کھیت نظر آ رہے تھے۔ ان کھیتوں میں سورج مکھی کے پھول چمک رہے تھے۔ کھیتوں میں کرد کسان پینٹ کوٹ پہن کر کام کر رہے تھے۔ یہ منظر ہمارے پنجاب سے بہت مختلف تھا جہاں کے کسان دھوتی کرتے میں کام کرتے ہیں۔ ترکوں کے ہاں خوش لباسی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ پٹڑی سے ٹرین گزری جس کی بوگیوں کا

رنگ ہماری "قراقرم ایکسپریس" جیسا تھا۔ یہ ایک نہایت ہی سست ٹرین تھی۔

کچھ دور جا کر سڑک کے قریب دریا پر ایک پل نظر آیا۔ یہ ایک قدیم پل تھا جو سلجوقیوں نے تعمیر کیا تھا۔ بعد میں مشہور آرکیٹیکٹ سنان نے اس پل کی تعمیر نو کروائی تھی۔ اب اس پل کو اس کی تاریخی حیثیت کے پیش نظر بند کر دیا گیا تھا۔ تھوڑی دور جا کر ہمیں تیز بارش نے آ لیا۔ دریائے آرس کے کنارے تیز بارش نے کافی لطف دیا۔

## حراسان، آغری اور کردستان

اگلا شہر "حراسان" تھا۔ اسے خراسان نہ پڑھیے گا جو کہ افغانستان کا پرانا نام ہے۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ یہ پورا علاقہ کردستان کا حصہ تھا۔ باقی ترکی کی نسبت کردستان کے شہر اتنے صاف اور ترقی یافتہ محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ اس علاقے میں کرد آبادی ایران، عراق اور ترکی میں تقسیم ہوئی ہے۔ کردوں کی شدید خواہش ہے کہ ان کا علیحدہ وطن ہو۔ اس وجہ سے یہ لوگ پچھلے پچاس برس سے تینوں ملکوں میں تحریک آزادی چلا رہے ہیں جس میں بسا اوقات نوبت تشدد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تینوں ممالک کی فوج نے کردوں کی تحریک آزادی کو کچلنے کی پوری کوشش کی ہے۔

پچھلی صدی میں آزادی کی بہت سی تحریکیں مختلف ممالک میں چلی ہیں۔ آزادی کی تحریکیں بالعموم ان علاقوں میں چلتی ہیں جہاں حکومت غیر قوم کے افراد کے ہاتھ میں ہو۔ ان تحریکوں کے لیڈر عوام الناس میں غیر قوم کے حکمرانوں سے نفرت کو بھڑکا کر انہیں یا تو مسلح جدوجہد کے لئے تیار کرتے ہیں اور یا پھر انہیں سڑکوں پر لا کر آزادی کا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ اگر ان تحریکوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک عجیب حقیقت سامنے آتی ہے۔ ان تحریکوں میں عام طور پر غریب طبقے کے افراد اپنی جان، مال اور آبرو کی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب تحریک کامیاب ہو جاتی ہے تو سارے کا سارا فائدہ تحریک کے لیڈروں کو چلا جاتا ہے اور قربانیاں پیش کرنے والے افراد کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر برصغیر کی تحریک آزادی کو دیکھیے۔ انگریزوں کے خلاف تحریک میں اصل قربانیاں یہاں کے غریب عوام نے دیں۔ جب انگریز یہاں سے رخصت ہوا تو اقتدار مقامی اشرافیہ کے حصے میں آیا۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں سب سے پہلے تحریک آزادی کے مخلص راہنماؤں کا صفایا کیا گیا۔ پاکستان میں محمد علی جناح کو مناسب علاج فراہم نہ کر کے اور لیاقت علی خان کو براہ راست قتل کر کے راستے سے ہٹایا گیا۔ ہندوستان میں گاندھی جی کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے دونوں ممالک میں کرپٹ اشرافیہ کی حکومت قائم ہوئی جو اس پورے عرصے میں اپنے اپنے ملک کو لوٹ کر کھاتی رہی۔ جن لوگوں نے آزادی کے لئے حقیقی قربانیاں پیش کیں، ان کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ اس پر وہی مثال صادق آتی ہے کہ درد سہیں بی فاختہ، کوے انڈے کھائیں۔

کچھ ایسا ہی معاملہ کردستان کا ہے۔ تینوں ممالک یعنی عراق، ترکی اور ایران میں ایک عرصے سے تحریک چل رہی ہے۔ کردوں کے لیڈر اپنے غریب عوام کو وطن کے لئے جان دینے پر تیار کرتے ہیں البتہ آزادی کے بعد تمام تر فائدہ لیڈروں ہی کو ہو گا۔

اگلا شہر "آغری" تھا جو کہ صوبائی دارلحکومت کا مقام رکھتا تھا۔ شہر کے شروع میں خوبصورت جدید فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ آگے ایک چوک پر میں نے ایک صاحب سے "ڈوغو بایزید" جانے والی سڑک کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے تفصیل سے راستہ سمجھایا۔ یہ صاحب بس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ اس دوران ان کی بس نکل گئی۔ مجھے اس کا افسوس ہوا۔ میں نے سوچا کہ انہیں جہاں جانا ہے، ڈراپ کر دوں مگر اتنے میں ایک اور بس آ گئی۔

آغری کے بعد روڈ کافی خراب تھی۔ جگہ جگہ سڑک کو کھود کر دوبارہ بنایا جا رہا تھا جس کی وجہ سے سفر کی رفتار کافی سست تھی۔ دو گھنٹے میں ہم ڈوغو بایزید جا پہنچے جو کہ شاہراہ ریشم پر ترکی کا آخری شہر تھا۔ یہ شہر ترکی، ایران اور آرمینیا کی سرحد پر واقع ہے۔ آذربائیجان کی سرحد بھی یہاں سے کافی قریب ہے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

## کٹھ پتلیاں

یاں تماشائے بزمِ عالم میں
ہم تو کٹھ پتلیوں کی صورت ہیں
ہے جو مشّاق ہاتھ قدرت کا
ڈوریاں سب وہی ہلاتا ہے
کھیل جتنا بھی ہے مقدّر کا
وہ بناتا ہے، وہ مٹاتا ہے
ہم تو بس خواہشوں کی مٹّی سے
اپنے کچّے گھڑے بناتے ہیں
تیز دریاؤں کی روانی میں
اور خود ہی انھیں بہاتے ہیں
کیا حقیقت حقیر مٹّی کی؟
سب گھروندے ہیں ٹوٹ جاتے ہیں
خانۂ جاں کی تنگ گلیوں میں
خواہشوں کے تراش کر پیکر
اپنے اپنے دیئے جلاتے ہیں
کیا حقیقت دیئے کی لو کی ہے؟
سب ہوائیں وہی چلاتا ہے
کچھ دیئے جل کے بجھ بھی جاتے ہیں
کچھ دیئے بجھ کے جل بھی جاتے ہیں
ہم تو کردار بس نبھاتے ہیں

## ابو یحییٰ کی کتابیں

### آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

---

### حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

---

### ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

---

### کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفر نامہ

---

### جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

---

### قسم اس وقت کی

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

Please visit this link to read all articles and books of Abu Yahya free online.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)